ڈاکٹر سید مطلب عابد
ڈاکٹر مسرت عابد

قرآنی فکر کی روشنی میں

انسان کے اخلاق و معاملات کے چند پہلو

قرآن کریم ایک ایسی لاثانی کتاب ہے جو کہ تمام بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے اتاری گئی ۔ قرآنی فکر کا مقصد ایک عالمگیر تعلیم اور ایک عالمگیر اخلاق کی تبلیغ ہے ۔ اگر اس کے لفظی معنی پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ : قرأ " سے نکلا ہے ۔ " قرأ " یعنی اس نے پڑھا ، تو قرآن کے معنی ہوئے " پڑھنا " [۱]

قرآن جب نازل ہوا تو اس شان کے ساتھ کہ بڑے بڑے فصیح و بلیغ اور قادر الکلام لوگوں کی زبانیں اس کے آگے بند ہو گئیں ۔ ایک طرف اس کی زبان میں شان و شوکت ، رعب و دبدبہ ہے تو دوسری طرف بلا کا (Rhythm) موجود ہے ۔ [۲] قرآن کی یہی خصوصیت ہے کہ اس کے دشمن بھی اس کو پڑھ کر یہ کہنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ یہ بشر کا کلام نہیں ہے ۔ گویا اس کا الہامی ہونا تسلیم کر لیتے ہیں ۔ اس طرح قرآن کا یہ دعویٰ سچا ثابت ہو جاتا ہے کہ لوگ اس کی مثل نہیں پیش کر سکتے ۔ [۳] قرآن ان لوگوں کو چیلنج کرتا ہے جو اس کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے ، اس کے الفاظ میں " اگر تم سچے ہو تو ایک سورۃ اس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کیلئے بلا لو " (یونس : ۳۷) قرآن کا یہ چیلنج صرف اس کی فصاحت و بلاغت اور اس کی ادبی خوبیوں کی

---

[۱] Levy Reuben, The Social Structure of Islam, Cambridge, 1971, Pages 150

[۲] Waddy Charis, The Muslim Mind, New York/ London 1976, Page 13

وجہ سے ہی نہ تھا بلکہ اس لئے بھی تھا کہ انسانی دماغ ایک ایسی کتاب تصنیف نہیں کر سکتا جس کو کہ ایک مکمل ضابطۂ حیات قرار دیا جا سکے ۔ اس میں انسانی زندگی میں پیش آنے والے ہر ضروری مسئلے کو حسن سلجھے ہوئے انداز میں بیان کیا گیا ہے وہ صرف اللہ کی ہی قدرت ہے ۔

پھر ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ قرآن پچھلے تمام انبیائے کرام کی تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے ۔ اگر یہ کسی ایک خاص مذہب کے بانی کی ذہنی سوچ کا نتیجہ ہوتا تو یقیناً یہ کوشش کی جاتی کہ پرانی صداقتوں کے ساتھ اپنا نرالا رنگ بھی ملایا جائے تاکہ اپنے آپ کو ممتاز کیا جا سکے ۔ [۴]

قرآن کریم میں اقتصادی مسائل ، اخلاقی ہدایات ، شرعی احکامات کے علاوہ حق کی دعوت نیک لوگوں کے لیے بشارت ، بد کرداروں کے لیے تنبیہ اور عبرت انگیز قصے جا بجا ملتے ہیں لیکن اس کا اسلوب دنیاوی کتابوں سے بالکل مختلف ہے ۔ اس میں اگر تاریخ کا ذکر ہے تو اس طرح نہیں کہ جس طرح سے ایک مورخ لکھتا ہے اگر قرآن فلسفے کا ذکر کرتا ہے تو وہ بھی دنیاوی کتابوں کے ڈھنگ میں نہیں کرتا اگر معاشیات کا ذکر ملے گا تو مروجہ علم اقتصادیات کے طرز پر نہیں ، اس طرح قانون کے معاملات وکیلوں سے مختلف انداز میں پیش کئے جاتے ہیں ۔ اخلاقی اقدار کا تذکرہ کیا جائے گا تو نہایت دلنشین لیکن دنیاوی اصول سے ہٹ کر ۔ غرض اپنے موضوع اور فکر کے اعتبار سے قرآن کریم ایک منفرد صحیفہ ہے جس کی نظیر نہیں ملتی ۔ [۵]

قرآن مکمل صورت میں یا ایک ہی وقت میں حضور پر نہیں نازل کیا گیا ، بلکہ تقریباً تئیس سالوں میں تھوڑا تھوڑا کر کے اترتا رہا [۶] اور مسلمان اس پر اسی طرح ایمان

---

[۳] صحیح بخاری ص ۲ جلد ۳ کراچی ۱۹۶۰ء

[۴] خلیفہ عبد الحکیم "اسلام کی بنیادی حقیقتیں" ص ۲۰۲ لاہور ۱۹۷۵ء

[۵] مودودیؒ ۔ تفہیم القرآن جلد اوّل جون ۱۹۷۹ء لاہور ص ۱۹

رکھتے ہیں اور مکمل سمجھتے ہیں ۔ ے[7] اس میں کتابی اسلوب یا تصنیفی ترتیب نہیں ہے ۔ کفار یا وہ لوگ جو اس پر ایمان نہیں لائے تھے بار بار قرآن پر یہی اعتراض کرتے تھے ۔ ے[8] " وہ کہتے کہ قرآن میں ایک بات کے لیے کبھی ایک دلیل پیش کی گئی ہے کبھی دوسری ، ایک بات کبھی مجمل کہی گئی ہے اور کبھی مفصل ۔ اسی لیے یہ (معاذ اللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی تصنیف ہے ۔ جیسا کہ خود قرآن میں بتایا گیا ہے کہ " جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم خود (محمد) قرآن گھڑتے ہو ، اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کرے" (النحل ۱۰۱) گویا قرآن پر یہ اعتراض قابل قبول نہیں کیونکہ روح اقدس نے اسے جیسے چاہا نازل کیا ۔ ے[9] اگر آیات کے نزول پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ وقت اور حالات کے مطابق جن احکام کی ضرورت پڑتی گئی اسی ترتیب سے قرآن نازل ہوتا گیا ۔ مسلمانوں کے لیے جو حکم جس وقت اللہ نے مناسب سمجھا انہیں دیا ۔

دنیا کا کوئی مذہب اور اس کا بنایا ہوا ملکی نظام ایسا نہیں جس کی کوئی غرض و غایت نہ ہو یا جس کے مقاصد اور منزل مقصود کا تعین نہ کیا گیا ہو ۔ ہر مذہب کی کتابوں میں اس کی واضح نشاندہی کی جاتی رہی ۔ قرآن اخلاقیات معاشرت ، سیاست ، اقتصادیات ، تمدن ، صلح ، جنگ ، قانون سازی ، مذہبی عقائد اور بے شمار دوسرے مسائل سے بحث کرتا اور بتاتا ہے کہ اس کے نزدیک تمام پہلوؤں میں ایک کامیاب

---

6. Abulala Maudoodi, Meaning of the Quran, LHR P.2
7. Encyclopaedia Britannica, Vol. 15, 1973-74, P342

ے[8] لیوی (Levy) نے بھی قرآن پر یہی اعتراض کیا ہے ۔ دیکھئے ص ۱۹۵

زندگی کس طرح بسر کی جا سکتی ھے ـ گویا قرآنی فکر ایک کامیاب زندگی کے تصوّر کا لائحۂ عمل مہیا کرتی ھے ـ قرآنی فکر دعوت حق دیتی ھے ـ اس عظیم فکر پر عمل کا نتیجہ تھا کہ دشمن دوست بن گئے ، مخالفین جوش اور ولولے سے مل جل کر کام کرنے لگے ، یہ قرآنی فکر کا ھی کرشمہ تھا کہ جس کے باعث بھیڑ ، بکریوں کے چرواھے انسانیت کے نگہبان بن گئے اور درندگی اور پستی سے نکل کر انسانیت کے بلند ترین مقام پر پہنچ گئے ـ اس کتاب الٰہی نے خانہ بدوشوں کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب برپا کردیا ،قرآنی تعلیم نے بت پرستوں کو توحید پرست ، وحشیوں کو مہذب انسان ، بدوؤں کو بادشاہ برائی کو بھلائی اور غریبی کو امیری میں بدل کر ساری دنیا کی کایا پلٹ دی ـ قرآنی فکر صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں ھے اس کا بتایا ھوا مذھب تمام انسانوں کا مذھب ھے ـ تمام زمانوں کا مذھب ھے ، تمام جہانوں کا مذھب ھے اور زیادہ صحیح الفاظ میں زندگی کا مذھب ھے ـ [۱۰]

یہ تمام بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے آیا ، اس کا مقصد صرف اہلِ عرب کی اصلاح ہرگز نہ تھا ، بلکہ اس کا مقصد عالمگیر تعلیم ، عالمگیر اخلاق اور عالمگیر انسانیت کی اشاعت کرنا ھے ـ یہ فکر اتنی عظیم ھے کہ دنیا کے بےشمار انسان اپنے اپنے مقصد لے کر اس کی طرف رجوع کرتے ھیں اور یہ کتاب ان کے مسائل حل کرنے میں رہنمائی کرتی ھے ـ

قرآن کے اہم ترین موضوعات میں سے ایک بڑا اہم موضوع " انسان " ھے اس میں تفصیلاً اس امر سے بحث کی گئی ھے کہ انسان کی فلاح اور بہبود کس چیز میں مضمر ھے ـ قرآن نے ایک طرف پسندیدہ انسان اور دوسری طرف ناپسندیدہ انسان کی خصوصیات واضح الفاظ میں بتائیں ـ اس کا مرکزی مضمون یہ ھے کہ انسان نے ظاہر بینی اور اپنی نفس کی خواہشات کی وجہ سے اللہ اور نظام کائنات کے بارے میں جو نظریات قائم کئے ھیں اور جو رویہ انسان نے اپنے خود ساختہ نظریات کی بنا پر اختیار

---

[۹] مولانا آزادؒ ، ترجمان القرآن جلد ۲ ۱۹۳۶ء ص ۳۳۲

کیا ہے وہ اس کے لیے تباہ کن ہے ۔ اسی لیے قرآن اپنی فکر میں سب سے زیادہ اخلاقیات پر زور دیتا ہے ۔

قرآن نے ایک طرف مسلمانوں میں جماعتی شعور پیدا کیا تو دوسری طرف انہیں بلند اخلاقی اور پاک سیرتی کی تعلیم دی ۔ راہِ حق پر چلنے کی ہمتیں بڑھائیں ، اجر کے وعدے کئے ۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اس کے ماننے والے زندگی کی جگہ موت (شہادت) کو ترجیح دیتے ہیں ۔ قرآن ہمیں زمین وآسمان کی ساخت ، گزری ہوئی قوموں کے حالات ، انسان کی تخلیق ، اس کا مقصد ، اور فلسفۂ اخلاق کے بارے میں تفصیلاً بتاتا ہے ۔ اس کا مقصد اس سے بنی نوعِ انسان کی اصلاح ہے ۔ تباہ ہونے والی اقوام کا ذکر کر کے بتاتا ہے کہ ان کے تباہ ہونے کی وجہ ان کی کون سی غلطی تھی اور تم اگر اس غلطی سے بچنا چاہو تو کیا راستہ بہتر ہے۔ قرآن انسان کو اس کی تخلیق کا مقصد بتاتا ہے تاکہ اسے یہ شعور ہو کہ اسے اللہ تعالی نے کیوں پیدا کیا ۔ قرآن صاف الفاظ میں بتاتا ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو کس عظیم مقصد کے لیے زمین پر بھیجا ۔

قرآن بتاتا ہے کہ انسان کی پیدائش ، انسان کی تخلیق خالصتاً کامل انسانی صورت اور شعور کے ساتھ کی گئی ۔ اس کی تخلیق ایک خاص مقصد یعنی خلافتِ الٰہی کا فریضہ سپرد کرنے کے لیے عمل میں آئی ۔ لہذا لازمی تھا کہ اس " ذات حقیقی اور سرچشمۂ کمال کے اوصاف و افعال کا پرتو اس کے نائب میں بھی موجود ہو ، یہی انسانیت کی تکمیل ہے ۔ [۱۱]

قرآن انسان کو اس کی عظمت یاد دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ " ہم نے تمھاری تخلیق کی ابتدا کی ، پھر تمھاری صورت بنائی ، پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو ، سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا " اللہ تعالی نے آدم کو یہ سجدہ بنی نوع انسان کے نمائندے کی حیثیت سے کروایا ۔ وہ انسان جو کہ اللہ کا نائب تھا ،

---

[۱۰] ڈاکٹر غلام جیلانی برق " دو قرآن " لاہور ۱۹۲۳ء ص ۷

[۱۱] قاری محمد طیب ، ایک قرآن ، لاہور س ۔ دارد ص ۸۳

جسے اللہ تعالی نے اپنی دیگر تمام مخلوق میں اشرف بنایا تھا ، انسان کو یہ شرف اس مخلوق پر بھی دیا گیا جو ارادے اور اختیار کی آزادی رکھتی تھی - کیونکہ اسے اللہ نے اپنا خلیفہ بنانے کا فیصلہ کیا تھا اور یہی اس کا اعجاز اور امتیاز تھا - [۱۲]

یہاں ایک بات کی توضیح کر دینا ضروری ہے کہ خلیفہ اصل مالک نہیں ہوتا بلکہ مالک کا نائب ہوتا ہے - اس کے اختیارات مالک کے عطا کردہ ہوتے ہیں ، وہ اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کا حق نہیں رکھتا ، بلکہ اس کا کام مالک کے منشا کو پورا کرنا ہوتا ہے اس کے فرائض میں " قیام عدل ، اصلاح معاشرہ ، قانونِ الٰہی کی حفاظت ، کفر کا انسداد وغیرہ شامل ہیں - [۱۳] گویا یہ بات نہایت واضح ہے کہ اگر انسان خلیفہ بننے کے بعد خود کو تمام اختیارات کا مالک سمجھ لے اور خدا کے عطا کردہ اختیارات کو من مانے طریقے سے استعمال کرنا شروع کر دے تو اس کا یہ فعل غداری کے مترادف شمار کیا جائے گا - خدا انسان کی فطرت کے ہر پہلو کا مکمل علم رکھتا ہے ، قرآن کہتا ہے کہ " پھر اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں - انہوں نے عرض کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے نظام کو بگاڑ دے گا اور خونریزیاں کرے گا " فرشتوں کا یہ کہنا اس لیے تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ خدا کے فرامین کی تکمیل بخوبی سرانجام پا رہی ہے ، حمد و ثنا جاری ہے - لہذا تخلیق آدم کی مصلحت ان کی سمجھ سے باہر تھی - چنانچہ ارشاد ہوا کہ خلیفہ مقرر کرنے کی ضرورت اور مصلحت میں جانتا ہوں تم اسے نہیں سمجھ سکتے - اپنی جن خدمات کا تم ذکر کر رہے ہو وہ مکمل نہیں بلکہ ان سے آگے بھی ضرورت باقی ہے - وہ ضرورت کیا تھی اور فرشتے کس چیز سے ناواقف

---

[۱۲] صدرالدین اصلاحی " اسلام ایک نظر میں " لاہور ۱۹۶۶ ص ۱۸

[۱۳] پروفیسر رشید احمد "مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۱۷

تھے ؟ اس کی وضاحت قرآن کی مندرجہ ذیل آیت بخوبی کرتی ہے کہ " پھر اللہ تعالی نے آدم کو ساری چیزوں کے نام بتائے اور پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تمہارا خیال صحیح ہے تو ان چیزوں کے نام بتاؤ " انہوں نے عرض کیا نقص سے پاک آپ کی ذات ہے ، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں دیا ۔ پھر اللہ نے آدم سے کہا تم ان چیزوں کے نام بتاؤ جب اس نے ان کو (فرشتوں کو) ان چیزوں کے نام بتا دئے تو اللہ نے فرمایا " میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی تمام حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں ۔ (البقرہ : ۳۱)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ خدا نے کائنات سے متعلق انسان کو فرشتوں کے مقابلے میں زیادہ جامع معلومات دیں اور ظاہر ہے کہ یہ اس کے نائب ہونے کی وجہ سے تھیں اور اسی نے اسے فرشتوں پر فوقیت عطا کی ۔ یہ علم جو عطا کیا گیا اس میں بھلائی اور برائی دونوں سے متعلق علم شامل تھا ۔ اس کے ساتھ ہی آدم کو اختیار بھی دیا گیا کہ وہ جو راستہ چاہے اختیار کرے ۔

ابلیس نے آدم کے خلیفہ بنائے جانے کی مخالفت کی جس کے نتیجے میں خدائی رحمت سے محروم ہو گیا ۔ آدم سے اس کا بدلہ اس نے اس طرح لیا کہ جس کام سے اسے منع کیا گیا تھا اسے کروا لیا ۔ ابلیس اس سے ثابت کرنا چاہتا تھا کہ انسان اس مرتبے کا مستحق نہیں ہے جو اللہ تعالی نے اسے عطا کیا ہے ۔ لیکن بعد کے حالات و واقعات ثابت کرتے ہیں کہ آدم اور ابلیس کے رویوں میں واضح فرق تھا ۔ گو آدم سے بھی نسیان ہوا ، لیکن انہیں فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور وہ پشیمان ہوئے ۔ قرآن میں آیا ہے آدم اور حوا دونوں بول اٹھے " اے رب ہم نے اپنے اوپر ستم کیا ، اب گر تو نے ہم سے درگزر نہ کیا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہوجائیں گے " (الاعراف : ۲۳)

---

۱۲ ؎ خلیفہ عبدالحکیم ص ۲۱ بحوالہ سابقہ

آدم اور حوا کی یہ دعا ، یہ پیشمانی ابلیس کے اس رویے سے قطعی مختلف تھی جو اس نے اللہ تعالی کی نافرمانی کے بعد اختیار کیا تھا ـ وہ خود اپنی بڑائی کا مدعی تھا جب کہ آدم نے فوراً اپنی کمزوری کا اعتراف کر لیا ـ اور دوسری طرف انسان نے بڑای کا دعوی از خود نہ کیا بلکہ اسے یہ مرتبہ خدا نے عطا فرمایا ـ ابلیس نے خدا کی نافرمانی غرور اور تکبر کی بنا پر کی ، جبکہ آدم نے ابلیس کے بہکانے پر غلطی کا ارتکاب کیا ـ پھر آدم معافی مانگ کر اللہ تعالی کی طرف پلٹ آئے جب کہ ابلیس اپنی ضد پر اڑا رہا ـ چنانچہ آدم کی معافی قبول ہوئی ، ابلیس کے برعکس اسے دوبارہ تکریم مل گئی ـ خدا نے سب سے بڑا انعام یعنی اسے نبوت عطا کی ـ ۱۴ھ

اس سے واضح ہو گیا کہ بڑائی کا گھمنڈ رکھنا ، خدا کی نافرمانی کرنا ، اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنا شیاطین کا کام ہے اور اسی کے نتیجے میں ذلت اور رسوائی ہوتی ہے ، جب کہ خدا کے فرمان کو بجا لانا ، اس کی حمد و ثنا کرنا خدا کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے جس سے خدا کا قرب نصیب ہوتا ہے ، ترقی اور بلندی ملتی ہے ـ اللہ تعالی نے انسان کو خیر و شر کا علم دے کر اسے اختیار دیا کہ وہ جو چاہے اپنائے اور دراصل یہی اختیار اسکی آزمائش تھی ـ اللہ تعالی نے واضح طور پر بتا دیا کہ روزِ آخرت انسان کو اپنے تمام کاموں پر جزا یا سزا ملے گی ـ ان اعمال میں ظاہری وباطنی دونوں شامل ہیں ـ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعمال جو روحانی نوعیت کے ہیں اور جن کا تعلق انسان کے اندرون سے ہے ان میں روح کو نفس کی غلامی اور دنیا کی آلودگی سے پاک رکھنا سر فہرست ہے تاکہ اللہ تعالی کی اطاعت ، اس کی حمد و ثنا صدق دل سے کی جا سکے ـ یعنی انسان وہی " پسند کرے جو اللہ کو پسند ہے اور وہی ناپسند کرے جو اللہ کو ناپسند ہے " ـ ۱۵ھ

۱۵ھ صدر الدین اصلاحی ـ ص ۱۸۷ بحوالہ سابقہ

انسان کے ظاہری اعمال میں سرفہرست اور اہم ترین درجہ اس کے اخلاق کو بتایا گیا ہے ۔ اخلاق کیا ہے ؟ خیر و شر کو سمجھنا ، اچھے اور برے میں تمیز کرنا ، اگر انسان کا باطن یعنی روح خیر کی طرف مائل ہوگی تو یقیناً اس کا اخلاق بھی خیر پر مبنی ہوگا ۔ انسان کے اخلاق کو اس کی شخصیت کا آئینہ دار سمجھا جاتا ہے ۔ [۱۶]

قرآن ایک ایسی دستاویز ہے جس نے اخلاق اور فلسفۂ اخلاق پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے انسانی اخلاقیات کی تکمیل کی اس نے بنیادی انسانی اخلاقیات کو ایک درست سمت دی اور صحیح مرکز مہیا کیا اس نے انسان کو واضح طور پر بتایا کہ وہ اس اخلاق پر چل کر سراسر خیر بن جائے گا ۔ قرآن نے انسانی اخلاقیات کی حدود کو نہایت وسیع کر دیا ۔ قرآن انسانی اخلاق کے دائرے کو پوری بنی نوع انسان کے حقوق اور فرائض پر مشتمل قرار دیتا ہے ، کیونکہ دین فطرت کا ترجمان ہونے کی حیثیت سے اسے انسان کے طبعاً معاشرت پسند ہونے کا مکمل ادراک ہے ۔ انسان پیدائش سے موت تک لاتعداد معاملات میں اپنے ہم جنسوں کے تعاون کا محتاج ہے ۔ اس کی نشو و نما اجتماعی زندگی کے بغیر ممکن نہیں ۔ چنانچہ الٰہی حقائق کو مدّنظر رکھتے ہوئے قرآن نے انسانی تعلقات کو خاندان یا برادری تک محدود نہیں رکھا ، بلکہ پوری بنی نوع انسان کو اس میں شامل کیا قرآن نہایت تفصیل کے ساتھ انسان کے انسان کے ساتھ تعلقات کے ان چھوٹے بڑے دائروں پر روشنی ڈالتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ ان تعلقات کا دارومدار انسانی اخلاق پر منحصر ہے ۔ اخلاق میں وہ تمام اوصاف شامل ہیں جو دنیا اور آخرت میں انسان کی کامیابی کے لیے ضروری ہیں ۔

قطع نظر ان باتوں کے اگر آپ انسان کی ہستی کا مطالعہ کریں تو واضح طور پر پتہ چلے گا کہ اس کے اندر دو مختلف

۱۶ه صدر الدین اصلاحی ص ۱۸۷ بحوالہ سابقہ

حیثیتیں پائی جاتی ہیں ایک اس کا طبعی اور حیوانی وجود جس کی کارکردگی کا انحصار طبعی حالات اور مادری ذرائع پر ہے اور دوسرا اخلاقی وجود۔ یہ وجود انسان کے حیوانی وجود پر بھی حکمراں ہوتا ہے اور یہی خارجی دنیا کے اسباب کو اپنا تابع بنانے اور ان سے کام لینے کی کوشش کرتا ہے۔ لہذا انسان کے عروج اور زوال کا مدرا اس کے اخلاق پر ہوتا ہے۔ ناقص اخلاق والے اچھے اخلاق رکھنے والے پر غالب نہیں آسکتے۔ " مومن ہو یا کافر ، نیک ہو یا بد ، مصلح ہو یا مفسد ، جو بھی ہو ، اگر اس کے اندر ارادے کی طاقت ، فیصلے کی قوت ، عزم و حوصلہ ، صبر و ثبات ، اور استقلال ہو ، تحمل اور برداشت ہو ، ہمت و شجاعت ہو ، مستعدی اور جفا کشی ہو اپنے مقصد کا عشق اور اس کے لیے ہر چیز قربان کر دینے کا بل بوتا ہو ، معاملہ فہمی و تدبر ہو ، حالات کو سمجھنے اور اپنے آپ کو ان کے مطابق ڈھالنے اور مناسب تدبیر کرنے کی قابلیت ہو اور دوسرے انسانوں کو موہنے اور ان کے دل میں جگہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہو تو یقیناً اس میں جوہر آدمیت موجود ہے۔ ان اوصاف میں رواداری ، فیاضی ، رحمدلی ، ہمدردی ، انصاف ، وسعت قلبی ، سچائی ، امانت ، راست بازی ، پاس عہد ، معقولیت ، اعتدال ، شائستگی ، طہارت شامل ہیں۔ جن اقوام میں یہ اوصاف ہوتے ہیں وہ دوسری اقوام سے نمایاں ہوتی ہیں۔ قرآن بتاتا ہے کہ یہی وہ اخلاق ہیں جن کی بدولت انسان اپنے شرف کی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کا نفس خود غرض ، ظلم اور بے حیائی سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس میں خدا پرستی تقویٰ اور حق پرستی پیدا ہوتی ہے۔ یہی اخلاقی ذمہ داریوں کا وہ شعور ہے جو اسے تمام مخلوقات کے لیے کریم ، فیاض ، رحیم ، ہمدرد ، بے غرض ، خیر خواہ ، بے لوث صادق اور راست باز بنا دیتا ہے۔ اس کی سیرت کی تعمیر کرتا ہے اور یہ سیرت قرآنی اصولوں پر مبنی ہوتی ہے " اور جس کے بغیر چین اور طمانیت کا جمع ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ [۱۷]

---

[۱۷] ڈاکٹر میر ولی الدین "قرآن اور تعمیر سیرت" ص ۵۹

قرآن کریم انسانی زندگی میں اخلاق کی اہمیت کے پیش نظر اس کے مختلف ادوار کار پر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے۔ انسانی زندگی کا سب سے پہلا اور اہم دائرہ اس کی گھریلو زندگی ہے اس دائرے میں اس کے بیوی اور بچے آتے ہیں ۔ ان سے اسے فطری محبت ہوتی ہے ، ان کے لیے وہ قربانی دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے ۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ محض فطری تقاضے کے تحت نہیں ہونا چاہیے بلکہ ایک دینی فرض کے طورپر ہونا چاہیے ۔ قرآن میں حکم دیا جاتا ہے کہ " اپنی عورتوں کے ساتھ بھلے طریقے سے رہو " (النساء : ۱۹) اس آیت سے واضح انداز میں علم ہوتا ہے کہ بیوی کے ساتھ نیک سلوک کرنا ، اس کی بھلائی کے فکر کرنا ، اس کی بہبود کا خیال رکھنا اسلامی فلسفۂ اخلاق کا بنیادی ستون ہے ۔ قرآن میں اس مفہوم کی بہت سی آیات جا بجا ملتی ہیں جس سے یہ ظاہرکرنا مقصود ہے کہ اس فریضے کی کتنی اہمیت ہے ۔

انسان کی خاندانی زندگی کے دائرے میں ماں باپ ، بہن بھائی اور دیگر قریبی رشتہ دار بھی نہایت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں ۔ والدین کے ساتھ قرآن جس حسن سلوک کا حکم دیتا ہے اس کی مثال ہمیں کسی دین کے فلسفۂ اخلاق میں ڈھونڈھے سے نہیں ملتی ۔ قرآن زور دے کر کہتا ہے کہ " والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو ، اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو ، نہ ان کو جھڑک کر جواب دو ، بلکہ ان کے ساتھ احترام سے بات کرو ، نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ خدا ان پر رحم کرے " (بنی اسرائیل : ۲۳)متعدد مقامات پر قرآن اپنے پیروکاروں کو اسی قسم کی نصیحتیں کرتا ہے ۔ ایک اور مقام پر حکم دیتا ہے " ان کے لیے فروتنی کے بازوں کو رحم و شفقت سے جھکا دو ، اور دعا کرو کہ پروردگار ان پر رحمت نازل فرمائے جس طرح انہوں نے (رحمت اور شفقت کے ساتھ) مجھے بچپن میں پالا تھا " (بنی اسرائیل : ۲۴) اس آیت میں قرآن نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی وجہ بھی بتائی ہے کہ بچے کو پالنے پوسنے میں انہیں جو محنت و مشقت

اور تکلیف و پریشانی سہنا پڑتی ہے اس کے جواب میں اولاد پر یہ لازم ہوجاتا ہے کہ بڑے ہو کر ان کے اس حسن سلوک کا جواب حسنِ سلوک سے ہی دے ۔ انسانی زندگی پر اُس کے دینی نظریات کا پرتو صاف نظر آجاتا ہے ۔ اس کے اعمال اس کے نظریات کے غماز ہوتے ہیں ۔ انسان اپنے انہی نظریات کے تحفظ کے لیے جنگ پر بھی اتر آتا ہے ۔ لیکن اسلامی فلسفۂ اخلاق میں والدین سے حسن سلوک کی تاکید پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ والدین اگر مسلمان نہ ہوں بلکہ کفرو الحاد کی تاریکیوں میں گم ہوں ، تب بھی قرآن حکم دیتا ہے کہ ان کے حقوق اپنی جگہ قائم رہتے ہیں ۔ والدین اگر اسلام کے دشمن بھی ہوں تب بھی اولاد کا فرض ہے کہ ان کی خدمت کرے ان کی دلداری کرے اور جو حقوق خدا کی طرف سے عائد کیے گئے ہیں انہیں پورا کرے ۔ (لقمان : ۱۵) گویا قرآن بعد سمجھاتا ہے کہ خدا کے بعد سب سے مقدم حق والدین کا ہے ۔ اولاد کو والدین کا مطیع و خدمت گزار ، اور ادب شناس ہونا چاہیے ۔ مقصد یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے جس میں اجتماعی اخلاق ایسے ہوں کہ اولاد والدین سے بے نیاز نہ ہو ، بلکہ ان کی احسان مند ہو ، ان کا احترام کرتی ہو اور بڑھاپے میں ان کی خدمت کرتی ہو ۔

خاندانی زندگی کے دائرے میں قرآن والدین کے بعد دیگر رشتے داروں کو بھی حسنِ سلوک کا مستحق ٹھہراتا ہے ۔ قرآن میں آتا ہے کہ " قرابت والوں کو ان کا حق ادا کرو " (بنی اسرائیل : ۲۶) یہ حق کیا ہے ؟ قرآن خود اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتا ہے ۔ " بے شک اللہ تعالی انصاف اور حسن سلوک کرنے اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے " (النحل : ۹) اس کے بارے میں اتنی زیادہ تاکید کی گئی ہے کہ اس حکم کو بجا نہ لانے والے کو خدا ناراض ہو کر " فاسقین " میں شمار کرتا ہے ۔ قرآن میں آتا ہے " جو خدا کا حکم نہیں مانتے اور خدا کا عہد باندھ کر توڑتے ہیں اور خدا نے جس کو جوڑنے کو کہا ہے اس کو کاٹتے ہیں " (البقرہ : ۲۶ ، ۲۷)

مطلب یہ ھے کہ جس رشتے کو اللہ نے جوڑا ھے اسے کاٹنا اللہ کو ناراض کرنا ھے ۔ رشتے داروں سے حسنِ سلوک سے پیش آنا اور ان کا احترام و تکریم کرنا عین اسلام ھے ۔ قرآن مسلمانوں کا یہ اخلاقی فرض بتاتا ھے کہ وہ اپنے رشتےداروں کی مالی ضروریات کا خیال رکھیں ، ان کی حاجت روائی کریں اللہ تعالی نے قرآن میں جن لوگوں کو مالی امداد دینے کا حکم دیا ھے ان میں رشتے داروں کو سرفہرست رکھا ھے ۔ (البقرہ : ۱۷۷) جو رشتے دار جتنا زیادہ قریبی ھوگا اس کے اتنے ھی زیادہ حقوق ھوں گے ۔ قرآن رشتے داروں سے قطع رحمی کو انسانیت اور دینداری کا ایک بنیادی ستون قرار دیتا ھے ۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ھے کہ قرآن نے رشتے داروں کے ساتھ حسنِ سلوک پر کتنا زیادہ زور دیا ھے ۔ قرآنِ کریم گھر اور خاندان کے بعد معاشرے میں بسنے والے دیگر افراد کے حقوق اور ان سے حسنِ سلوک کا تذکرہ کرتے ھوئے مذھباً ان کی اہمیت واضح کرتا ھے،کیونکہ معاشرے میں بسنے والے افراد کا آپس میں سلوک ھی کسی مذھب کے پیروکاروں کے اخلاق کو ظاہر کرتا ھے ۔ ان کے کردار پر روشنی ڈالتا ھے ۔ معاشرے کی فلاح اور بہبود کے لیے قرآن سب سے پہلے اس بات پر زور دیتا ھے کہ اس میں انصاف پر مبنی قوانین نافذ ھونے چاہئیں ۔ انصاف ایسا ھو کہ ہر فرد کی اس سے پوری پوری تسلی ھو جاتی ھو ۔ ایسے قوانین جن کی بنیاد ناانصافی پر ھو محض ایک جال کی حیثیت رکھتے ھیں ۔

قرآن کے نزدیک قوانین کی تشکیل کا مقصد معاشرے کے افراد کے لیے طمانیت اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں ھونا چاہیے ۔ قرآن عدل و انصاف پر بے حد زور دیتا ھے اِس کے نزدیک نظامِ عدل کا مقصد یہ ھے کہ لوگوں کے حقوق میں توازن اور تناسب قائم ھو ۔ ہر ایک کو اس کا حق بلا کسی روک ٹوک کے دیا جائے ۔ ہر شخص کو اس کے اخلاقی ، معاشرتی ، معاشی، قانونی ، سیاسی اور تمدنی حقوق پوری ایمانداری کے ساتھ دیئے جائیں ۔

درس اخلاق میں قرآن عدل کے بعد احسان ، پر زور دیتا

ھے ۔ عدل اگر معاشرے میں امن و سلامتی پیدا کرتا ھے تو احسان اسے پائیداری بخشنے اور مسلسل باقی رکھنے کا ذمہ دار ھے ۔ احسان سے مراد ھے نیک برتاؤ ، ھمدردانہ رویہ ، رواداری خوش خلقی ، درگزر ، ایک دوسرے کا پاس لحاظ ، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ھوجانا ، یہ عدل سے ایک زائد چیز ھے ۔ قرآن کریم کی رو سے ہر فرد اور معاشرے کے لیے احسان ایک پسندیدہ امر ھے ۔ قرآن میں ارشاد الٰہی ھے ۔ " اللہ احسان کرنے والوں سے خوشنود رہتا ھے " (آل عمران : ۱۳۲) قرآن کے مطابق اس کائنات کی تخلیق اور انسان کی پیدائش اس غرض سے کی گئی ھے کہ انسان احسن عمل کرے ۔ اس سلسلے میں آیاتِ کریمہ ملاحظہ ھوں ۔ " اور وھی ھے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق چھ دن میں کی اور اس سے پہلے اس کا عرش پانی پرتھا تاکہ تمھاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون احسن عمل کرنے والا ھے " (ہود : ۷) ایک اور جگہ ارشاد ھے ۔ " ھم نے زمین پر جو کچھ ھے اس (انسان) کے لیے آرائش و زینت بنایا تاکہ ان سب کی آزمائش کریں کہ ان میں سے کون سب سے احسن (اچھا) عمل کرنے والا ھے " (الکہف : ۷) قرآن نے ایک اور آیت میں اس کا ذکر یوں ملتا ھے " جس نے موت و حیات بنائی تاکہ تمھاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون بہترین (احسن) عمل کرنے والا ھے : (الملک : ۲) قرآن نے بلا قیدِ مذہب و ملت اور بلا امتیازِ رنگ و نسل ہر ایک سے احسان کرنے کی تلقین کی ہے ۔ قرآن پاک ایک ایسے معاشرے کی تشکیل و نمود چاہتا ہے جس میں ہر فرد اور جماعت آپس میں احسان کا تبادلہ کرتے ھوں ۔ یقیناً ایسا معاشرہ مثالی نوعیت کا ھوگا اور تمام اخلاقی نقائص سے پاک رہتے ھوئے خوب سے خوب تر کی طرف رواں رہے گا ۔

قرآن ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جس نے اپنے پیروکاروں کو محض معاشرے کو مثالی بنانے کی ہدایت ہی جاری نہیں کی بلکہ اس نے تفصیل سے ان عوامل پر روشنی ڈالی ھے جو کہ معاشرے اور سماج کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں اہم کردار

ادا کرتے ہیں ۔ ان میں سماجی برائیاں بھی شامل ہیں اور اقتصادی اور سیاسی نظام کو خراب کرنے والے عوامل بھی آتے ہیں ۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ معاشرے کے اندر برائیوں کو سر اٹھانے کا موقع نہ دیا جائے ۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہوسکتی ہے کہ کسی برے کام میں کسی کی مدد نہ کی جائے اور دوسرے پوری قوت سے ایسے فرد یا افراد کو ان کی بری حرکتوں سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ بری حرکتوں سے لوگوں کو باز رکھنا ان لوگوں کی بھی خدمت اورخیرخواہی ہے جنہیں برائی سے روکا گیا ہو ۔

سماجی برائیوں میں سے زنا کو بدترین برائیں میں شمار کیا گیا ہے اور اس کے خلاف اسلامی تعلیمات میں شدید ترین نفرت کا اظہار کیا گیا ہے ۔ کیونکہ یہ انتہائی برا فعل ہے ۔ قرآن محض زنا سے بچنے کا ہی حکم نہیں دیتا بلکہ اس کے محرکات اور مقامات سے بھی گریز کرنے کو کہتا ہے اور معاشرے میں ایسے قوانین کے نفاذ کا حکم دیتاہے جو اجتماعی طور پر زنا اور محرکاتِ زنا کے سدباب کا باعث ہیں ۔ اس سلسلے میں تعلیم و تربیت اور ماحول کی اصلاح کو بھی لازمی بتاتا ہے ۔

معاشرے کو خراب کرنے میں ایک اور برائی جو نہایت شدت سے اثر انداز ہوتی ہے وہ شراب نوشی اور جوا بازی ہے۔ قرآن کے مطابق " دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہے لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے کئی گنا زیادہ ہے " ۔ قرآن کی یہ آیت اس وقت کی ہے جب شراب نوشی اور جوئے کے حرام ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ بعد ازاں ان دونوں کو مسلمانوں کے لیے سمِ قاتل سمجھتے ہوئے حرام قرار دیا گیا اور شراب کو ام الخبائث (برائیں کو جنم دینے والی) کہہ کر اس کی خرابی بلکہ خرابیوں کو واضح کیا گیا ۔ قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل عمل میں لانا چاہتاہے جس کے نظام کا مقصد عام لوگوں کی بھلائی ہو ۔ قرآن کے نزدیک انسانیت کا مقصد یہ ہے کہ " کوئی کسی کا استحصال نہ کر سکے اور کسی کی ضرورت سے

ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے ۔ سود کے کاروبار کی بنیاد ہی کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے پر رکھی گئی ہے ۔ یہ کاروبار کسی بھی معاشرے کے اقتصادی نظام پر برے اثرات مرتب کر سکتا ہے ، اسی لئے قرآن اس کاروبار سے منع کرتا ہے ۔ اس کاروبار کے کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے " جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا "۔ قرآن کے نزدیک سودی کاروبار افزائش دولت کا ایک حرام ذریعہ ہے ۔ قرآن اس کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے بدترین انجام کی خبر سناتا ہے ۔" اے اہل ایمان دگنا ، چوگنا کر کے سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ فلاح یاب ہو سکو " یہاں دگنے چوگنے سے روک کر معمولی شرح کی اجازت مقصود نہیں ۔ اہل عرب میں یہ بات عمومی طور پر پائی جاتی تھی ۔ سورہ بقرہ میں اس کی تفصیل ملتی ہے ۔ " اے اہلِ ایمان اللہ سے ڈرو جو کچھ سودی معاملات باقی رہ گئے ہیں ان کو تم چھوڑ دو ، اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ ۔ اگر تم توبہ کر لو تمہارا مال تمہارا ہے تم زیادتی نہ کرو ۔ ورنہ تم سے زیادتی کی جائے گی ۔ قرآن کے نزدیک دولت ، صاحب دولت کے ہاتھ میں اللہ کی طرف سے سپرد کی گئی ایک امانت ہے ۔ اس امانت پر بہت سے لوگوں کا حق ہے اور حق داروں کو ان کا حق دینا ہر مسلمان کا اخلاقی و مذہبی فریضہ ہے ۔

قرآن دولت مند کو کسی بھی صورت میں کسی کمزور کی حالت سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں دیتا ۔ مثلاً ایک دولت مند کسی ضرورت مند کو قرض دیتا ہے اور پھر واپسی کے لیے اس سے زائد رقم کا تقاضا کرتا ہے تو قرآن اس کی کمزور مالی حالت کو جاننے کے باوجود جلدی قرض لوٹانے کا تقاضا کرتا ہے تو قرآن اس کے خلاف فیصلہ دیتا ہے ۔ قرآن کا ارشاد ہے " اگر قرض لینے والے نے قرض لیا اور پھر تنگی میں مبتلا رہا تو اسے فراخی تک مہلت دی جائے گی " ۔ اس کے علاوہ قرآن یہ توقع رکھتا ہے کہ قرض خواہ قرض کے تقاضے میں نرمی ،

31,2,91

شرافت اور مقروض کی آبرو کو ملحوظ رکھے گا ۔ اسی طرح قرآن قرض دار کا فرض بتاتا ہے کہ وہ قرض ادا کرنے کی پوری پوری کوشش کرے تاکہ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکے ۔ اس فلسفۂ اخلاق کا درس دینے کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے کے افراد میں باہمی اعتماد کی فضا قائم ہو اور وہ ایک دوسرے پر بھروسہ کریں ۔

معاشرے میں افراد کے روابط کے ضمن میں باہمی تجارت کی اہمیت مسلم ہے ۔ قرآن اپنے فلسفۂ اخلاق میں تجارت کے معاملات کو بے حد اہم بتاتا ہے ۔ قرآن اس بات پر زور دیتا ہے کہ دیانت داری کا تقاضا ہے کہ تاجر ناپ تول میں پورا پورا عدل کریں ۔ یوں تو قرآن مجید میں ٹھیک ٹھیک ناپ تول کے لیے جا بجا ہدایات آئی ہیں ۔ لیکن سورہ انعام میں عموماً اور سورہ " المطففین " میں خصوصاً اس کا ذکر ملتا ہے ۔ اس کا بار بار تذکرہ آنے کی وجہ ہے کہ کاروباری لوگوں میں عموماً یہ بات پائی جاتی ہے کہ جب دوسروں سے مال لیتے ہیں تو پورا ناپ تول کر ۔ لیکن جب دوسروں کو دیتے ہیں تو کچھ نہ کچھ کم کر کے ۔ قرآن معاشرے کی اس برائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے " تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے جن کا حال یہ ہے کہ لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا اور جب ان کو ناپ کر دیتے ہیں تو انہیں گھٹا کر دیتے ہیں ۔ کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن کو اٹھائے جانے والے ہیں ۔ اس دن جب کہ لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے " اس آیت میں واضح طور پر قرآن نے بتا دیا کہ ناپ تول میں کمی کرنے والے روزِ آخرت کو خدا کے سامنے اپنے اس برے فعل کے لیے جواب دہ ہوں گے ۔ گویا قرآن تجارت میں دیانت داری کو لازمی فریضہ قرار دیتا ہے ۔

تجارت پیشہ لوگوں میں ایک اور عمومی برائی ذخیرہ اندوزی کی پائی جاتی ہے ۔ تاجر لوگ بازار میں اپنا اجارہ داری قائم کرنے اور ناجائز منافع کمانے کے لئے ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں ۔ ان کا یہ طرز عمل ان کے لیے خواہ کتنا فائدہ مند ہو لیکن معاشرے کی بربادی کا سبب ضرور بن جاتا

ھے ۔ چنانچه قرآن ایسے شخص کو مسلمان ھی تصوّر نہیں کرتا جو اپنی ذاتی نفع اندوزی کے لیے اجتماعی مفاد کو دانسته طور پر مجروح کرے ۔ قرآن بڑے سے بڑے گناہ کا کفارہ بتاتا ھے لیکن ذخیرہ اندوزی اتنا بڑا گناہ ھے که خیرات سے بھی اس کا کفارہ نہیں ھو سکتا ۔ قرآن تاجروں کو بتاتا ھے که ذخیرہ اندوزی سے ھونے والی کمائی حرام ھے ۔ [۱۸] تجارت کرنے والوں میں پائی جانے والی ایک اور برائی اشیا میں ملاوٹ کرنا ھے تاکه زیادہ دولت کمائی جا سکے ۔ تجارت کے قوانین مرتب کرتے ھوئے قرآن نے ملاوٹ کرنے والوں کو حکم دیا که " صحیح اور غلط کو خلط ملط نه کرو " [۱۹] قرآن اس غلط فعل سے منع کرتے ھوئے حضرت شعیب کی قوم کا ذکر کرتا ھے جس میں یه مرض پھایا جاتا تھا ۔ حضرت شعیب نے انہیں ایسا کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی ، لیکن جب انہوں نے حضرت شعیب کی نصیحت پر کان نه دھرا تو اللہ تعالی نے اس قوم پر آگ برسائی جس سے نه صرف ان کی دولت جھلس گئی بلکه خود وہ قوم بھی ہلاک ھو گئی ۔ قرآن ملاوٹ کے معاملے میں اس قدر سختی اس لیے اختیار کرتا ھے که ملاوٹ کرنے سے معاشرے میں بسنے والے افراد کی صحت متاثر ھوتی ھے ، طرح طرح کی بیماریاں جنم لیتی ھیں اور ان تمام بیماریوں کا ذمه دار ملاوٹ کرنے والا ھوتا ھے ۔ اس بنا پر اس برائی سے بہت سختی کے ساتھ منع کیا گیا ھے ۔

معاشرے کو برائیوں میں دھکیلنے والی ایک اور برائی عہد شکنی ھے ۔ یه بہت بڑی ناانصافی کے ضمن میں آتی ھے ۔ قرآن نیک لوگوں کی تعریف کرتے ھوئے کہتا ھے که " نیک لوگ وہ ھیں جو وعدہ کرتے ھیں تو اس کا ایفاء کرتے ھیں " (البقرہ : ۱۷۷) اس ضمن میں ایک اور جگه آتا ھے که "یقیناً زمین پر چلنے والی مخلوق میں وہ لوگ سب سے بدتر ھیں جنہوں نے حق کو ماننے سے انکار کر دیا ۔ خصوصاً وہ

---

۱۸ اوصاف علی خان ۔ " حقوق العباد " ص ۲۸۱ ملتان ۷۹ء

۱۹ ایضاً " ص ۲۷۳

لوگ جو معاہدہ کرتے ہیں اور پھر اس کو توڑتے ہیں اور خدا کا خوف نہیں کرتے (الانفال : ۵۶) قرآن معاہدوں کو اہمیت کے لحاظ سے تین اقسام میں تقسیم کرتا ہے اور ان کی سختی سے پابندی کرنے کا حکم دیتا ہے ۔ ایک وہ عہد ہے جو انسان نے خدا کے ساتھ باندھا ۔ دوسرا عہد وہ ہے جو کسی انسان یا کسی گروہ نے کسی دوسرے انسان یا کسی دوسرے گروہ کے ساتھ کیا ۔ تیسرا وہ عہد ہے جو اللہ کا نام لیے بغیر عمل میں آیا ہو ۔ گو اس تیسری قسم کے معاہدے کی اہمیت پہلے دو قسموں کے معاہدوں سے کم ہے ، لیکن پابندی ان سب کی لازمی ہے اور ان کی خلاف ورزی کرنا کسی طرح جائز نہیں ۔ قرآن فرماتا ہے کہ معاہدے دراصل معاہدے کرنے والی قوم یا اشخاص کے اخلاق اور دیانت کی آزمائش ہوتے ہیں ، اور جو لوگ اس آزمائش میں ناکام ہو جاتے ہیں وہ اللہ کی گرفت سے کسی صورت نہیں بچ سکیں گے ۔

قرآن ایک مثالی معاشرے کی تشکیل کا خواہاں ہے ۔ چنانچہ وہ تفصیل سے وہ تمام اصول بتاتا ہے جو کہ اس کے لئے ضروری ہیں ۔ وہ رہنے سہنے کے تمام طریقوں پر بہت گہری نگاہ رکھتا ہے ۔ وہ ہر معاملے میں اعتدال کا قائل ہے ۔ مومن کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ " یہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں نہ تو اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ تنگی سے ان دونوں کے بیچ سے گزرتے ہیں ۔ قرآن اسراف کی مخالفت کرتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ " اسراف خدا کو پسند نہیں، فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں " ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی تنبیہ نہیں ہو سکتی ۔ قرآن انسانی معاشرے کے ان تمام جاہلانہ اخلاقی تصورات کی مذمت کرتا ہے جن میں دولت کو بے اندازہ خرچ کرنے والوں کو فضیلت دی جاتی ہے ۔ جو شخص ڈھیروں مال بناتا ہے اور پھر اپنی شاہ خرچیوں پر فخر کرتا ہے اور جو لوگ اس کے اس عمل پر اسے داد دیتے ہیں قرآن انہیں تنبیہ کرتا ہے کہ ایک ایسی ہستی بھی ہے جو اس تمام باتوں کا حساب لے گی کہ اس نے کن راستوں پر اور کس مقصد کے لیے خرچ کیا ۔ قرآن ہر قسم کی فضول خرچیوں

اور اسراف سے منع کرتا ھے ، خواہ وہ فاخرانہ لباس پر کیا جائے یا اونچے اونچے محلات کی تعمیر و آرائش پر ۔ وہ اپنے پیروکاروں کو سادگی کی تعلیم دیتا ھے جو ایک معاشرے کو بہت سی اخلاقی گراوٹوں سے بچانے میں مددگار ھوتی ھے ۔

ایک معاشرے کو اخلاقی اعتبار سے مثالی اسی وقت کہا جائے گا جب اس کے افراد امانت میں خیانت نہ کرتے ھوں ۔ قرآن کریم امانت کی واپسی کا صریح طور پر حکم دیتا ھے ۔ " اللہ تعالی تمھیں حکم دیتا ھے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹا دو " ایک اور جگہ اس ضمن میں قرآن میں آتا ھے " اے ایمان والو جانتے بوجھتے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو ، اپنی امانتوں میں غداری کے مرتکب نہ ھو جاؤ " ۔ ان واضح آیات کے بعد بھی جو لوگ خیانت سے باز نہ آئیں انھیں شدید ترین عذاب کی دھمکی دی گئی ھے اور ان کو خدا کی دوستی سے محروم قرار دیا گیا ھے ۔

اخلاقی اعتبار سے کسی بھی معاشرے کو جب کسوٹی پر پرکھا جاتا ھے تو سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ھے کہ اس معاشرے میں مظلوم و ظالم کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا گیا ھے ۔ دوسرے الفاظ میں ظالم کو ظلم سے باز رکھنے کے لیے کیا قوانین مرتب کیے گئے ھیں ۔ قرآن سے اس کی اھمیت واضح ھوتی ھے ۔ قتل نفس کو ظلم کی اِنتہا کہا جاسکتا ھے ۔

قرآن اس کو بدترین فعل بتاتا ھے ۔ وہ قتل کے جرم کو روکنے کے لیے قصاص کا حکم دیتا ھے ۔ یعنی خون کا بدلہ خون یا جان کا بدلہ جان ۔ مطلب یہ ھے کہ بدلے کے طور پر قاتل سے وھی سلوک کیا جائے گا جو اس نے مقتول سے کیا ھو گا ۔ یعنی قرآن قاتل کو اس کے برے انجام سے پہلے ھی خبردار کر دیتا ھے ۔ معاشرے میں جرائم کی روک تھام کے لیے جو قوانین مرتب کیے جاتے ھیں ان میں گواھی کی اھمیت مسلمہ ھے ۔ اس کے بغیر کسی بھی مجرم کو اس کے کیے کی سزا نہیں دی جا سکتی ۔ قرآن اس بنا پر مسلمانوں کو تاکید کرتا ھے کہ معاشرے میں اگر کوئی ظلم زیادتی یا قتل ھو جائے تو " شہادت ہر گز نہ چھپاؤ جو شہادت چھپاتا ھے اس کا دل گناہ

آلودہ ھے اور اللہ تعالی تمھارے اعمال سے بے خبر نہیں "
قرآن کے نزدیک صحیح واقعات کو ظاہر نہ کرنا اور حقائق کی پردہ پوشی کرنا ایک گنہگار انسان ہونے کی علامت ہے ۔
معاشرے کی ایک اور بڑی برائی بہتان تراشی اور کسی پر غلط الزام عائد کرنا ھے ۔ قرآن اول تو لوگوں کے راز ٹٹولنے سے منع کرتا ھے ۔ دوسرے وہ لوگوں کی باتیں کان لگا کر سننے ، ھمسایوں کے گھر میں جھانکنے ، مختلف طریقوں سے لوگوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے سے منع کرتا ھے کسی کے نجی خطوط پڑھنا بھی اس میں شامل ھے ۔ اس کا مقصد محض یہی ھے کہ وہ ان تمام اخلاقی برائیوں سے پاک معاشرہ چاہتا ہے ۔ ایسے فلسفۂ اخلاق کا درس دیتا ھے جو ہر قسم کی سماجی کمزوریوں سے پاک ھو ۔ قرآن ایسے لوگوں کو تنبیہ کرتا ھے جو کسی قسم کی بہتان تراشیاں کرتے ھیں ۔ ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت کرتا ھے اور انھیں اللہ کے عذاب کا مستحق ٹھہراتا ھے ۔ بہتان لگانے والوں کے لئے قرآن سزا بھی تجویز کرتا ھے تاکہ وہ کسی بھی قسم کا کوئی غلط الزام لگانے سے پہلے خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لیں کہ اس کی سزا کتنی سخت ھوگی ۔

ایک اور بہت ھی عام برائی جو کہ معاشرے میں پائی جاتی ھے وہ قول اور فعل کا تضاد ھے ۔ قرآن نے اس کے بارے میں واضح احکام جاری کیے ھیں " اے لوگو جو ایمان لائے ھو ، تم کیوں وہ بات کہتے ھو جو کرتے نہیں ، اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ھے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں " قرآن اس معاملے میں یہاں تک سختی کرتا ھے کہ قول اور فعل میں تضاد رکھنے والے افراد کو ایمان دار نہیں سمجھتا ۔ قرآن کے مطابق کسی انسان کے بداخلاق ھونے کی بڑی دلیل یہ ھے کہ وہ جو کچھ کہے اس پر خود عمل نہ کرتا ھو ۔ یہ ایک بدترین عادت ھے جو کسی شخص میں ھو سکتی ھے ، اور ھمارے معاشرے میں یہ برائی عام ھے ۔

قرآن کریم کے بتائے ھوئے ان تمام اخلاقی اصولوں سے ایک بات واضح ھو کر سامنے آتی ھے کہ معاشرے کی اصلاح اور

ترقی کے لیے انفرادی اور اجتماعی اخلاق و عادات کی اصلاح نہایت ضروری ہے ـ قرآن اصلاح معاشرہ کے اس پہلو کی اہمیت کو پوری طرح محسوس کرتا ہے ـ وہ مسلمانوں کو ایسے اخلاقی اصول دیتا ہے کہ معاشرتی زندگی میں اخلاقی کمزوریوں سے جو خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں انہیں دور کر کے معاشرے میں ایسی خوبیاں پیدا ہو جائیں جو نہ صرف مسلمانوں کی ذاتی بلکہ معاشرے کی اجتماعی فلاح و ترقی میں مدد دے سکیں ـ خدا نے قرآن کریم کے ذریعے ہمیں جو عمدہ اخلاق اور قواعد دیے ہیں وہ بلاشبہ مثالی ہیں ـ مسلمان اس فلسفۂ اخلاق پر جتنا فخر کریں کم ہے ، لیکن اس کا اندازہ مسلمانوں کی اخلاقی حالت ، ان کے کردار اور ان کا ایک دوسرے سے سلوک کو دیکھ کر ہی لگایا جا سکتا ہے ـ مسلمان اپنے اخلاق اور عادات کو جب تک اس فلسفے میں نہ ڈھالیں ، اس وقت تک دنیا کو اس اخلاقی فلسفہ ، اس کی بلندی ، اس کی عظمت اور اس کی اہمیت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں ہوسکتا ـ اس کے ساتھ ہی خود مسلمان بھی بحیثیت ایک ملت کے دنیا کے سامنے مثالی نمونہ نہیں بن سکیں ـ

ایک زوال پذیر قوم کے حالات میں سب سے نمایاں چیز یہ ہوتی ہے کہ اس میں اچھائیوں کے مقابلے میں اخلاقی برائیاں زیادہ نشو و نما پا چکی ہوتی ہیں ، ملت اسلامیہ کو اخلاقی برائیوں سے دور اور محفوظ رکھنے کے لیے بہترین طریقہ یہی ہے کہ قرآن کریم نے جو مثالی فلسفۂ اخلاق مسلمانوں کو دیا ہے ، اسے بغیر کسی ردو بدل کے اپنا لیا جائے ، اسی میں ہماری اور بنی نوع انسان کی بہتری ہے ـ اقوام عالم موجودہ دور میں جن حالات میں سے گزر رہی ہیں وہ انتہائی کشمکش کا دور ہے ـ ان کے اخلاقی احساسات ختم ہو چکے ہیں " کئی قومیں بڑے پیمانے پر ایسی اخلاقی گراوٹوں کا مظاہرہ کر رہی ہیں جن سے انسانیت کے وجود کو شدید دھچکا لگا ہے ـ بے انصافی بے رحمی ، ظلم و ستم ، جھوٹ ، دغا ، فریب ، مکر ، بدعہدی خیانت ، بے شرمی ، اب محض انفرادی جرائم نہیں رہے ـ بلکہ قومی اخلاق کی حیثیت سے سامنے آ رہے ہیں ـ ہر قوم ان جرائم

کا ارتکاب کر رہی ہے ، لیکن اس کے ساتھ ہی بڑے بڑے اخلاقی اصولوں کی باتیں بھی کی جاتی ہیں ۔ ان حالات میں وقت کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ مسلمان قرآن کا بتایا ہوا فلسفۂ اخلاق عملی نمونہ بنا کر اقوام عالم کے سامنے پیش کریں جو کہ محض مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ تمام عالم انسانیت کے لیے اخلاقی رہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ ایسی ہمہ گیر اخلاقی راہنمائی جو زندگی کے تمام شعبوں میں ترقی کے انتہائی ممکن درجات تک لے جاتی ہے ۔ قرآن کریم ایسے اخلاقی اصول مہیا کرتا ہے جن پر ایک بہترین نظام تمدن قائم ہو سکتا ہے ۔ جس پر چل کر تمام افراد اور معاشرے ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ ہو سکتے ہیں اور پھر صحیح معنوں میں انسان کی تخلیق کا مقصد پورا ہو جاتا ہے ۔ وہ مقصد جس کے تحت اسے نیابت الٰہی سپرد ہوئی اور اسی مقصد کو حاصل کر کے انسان خود کو اس اعزاز کا صحیح معنوں میں مستحق ثابت کر سکتا ہے اور اشرف المخلوقات بننے کا حق بھی اسے حاصل ہو جاتا ہے ۔